© rasailojaraid.com

تحریک پاکستان کی فکری بنیادیں

غلام سرور

اقوام عالم کی صف میں پاکستان کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے اور کسی دوسرے ملک سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے دنیا کے نقشے پر اس ملک کا کوئی وجود نہ تھا۔ لیکن جب یہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے طلوع ہوا تو اس نے نہ صرف تاریخ کے دھارے کو بدل دیا بلکہ جغرافیہ کی سمت بھی تبدیل کر ڈالی۔ قائداعظم کے الفاظ میں پاکستان ایک ایسی تہذیبی اکائی کی علامت ہے جس کا تشخص دوسری تمام اقوام سے یکسر مختلف ہے۔ یہ ملک، رنگ، نسل اور قومیت کے تعصبات سے کلی طور پر پاک ہے اور اس کا قیام علامہ اقبال کی فکری رہنمائی اور قائداعظم کی فعال سیاسی قیادت کا مرہون منت ہے۔ دراصل پاکستان کا قیام ایک گہرے تدبر کا ماحصل ہے اور اس کی تشکیل میں مسلمانان ہند کی والہانہ لگن کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ مگر دکھ کی بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد قیادت کی ذمہ داریاں اور طاقت کے تمام وسائل اس طبقے کے ہاتھ آ گئے جسے پاکستان کے قیام سے چنداں دلچسپی نہ تھی، یہ عناصر اپنی غلامانہ ذہنیت کے خول سے باہر نہ نکل سکے۔ آزادی کی نعمتوں سے اہل وطن کو بہرہ ور کرنا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ پاکستان سے ان کا لگاؤ محض برائے نام تھا اور جذباتی لگاؤ ہوتا بھی تو تب بھی بات آگے نہیں بڑھ سکتی تھی کہ یہ عناصر قوم کو فعال سیاسی قیادت فراہم کرنے کی صلاحیت سے ہی عاری تھے۔ انہیں اس بات کا احساس تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں "پاکستان" کی شکل میں کتنی گراں بہا نعمت سے نوازا ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ قائداعظم کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد پاکستان میں ترقی معکوس کا عمل شروع ہو گیا۔ اس طرح منزل تیزی سے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئی اور قوم نے ان تمام اونچے مقاصد کو پس پشت ڈال دیا جو اس ملک کی تخلیق کا موجب بنے تھے۔ قوم سمجھ رہی تھی کہ خالص دین کے نام پر معرض وجود میں آنے والا یہ ملک آگے چل کر پوری امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے گا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! عقابوں کے نشیمن، زاغوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تصرف میں چلے گئے اور اس طرح قوم منزل سے دور ہوتی چلی گئی۔ اب عالم یہ ہے کہ پاکستان کو ایک ناکام ریاست(Failed State) قرار دیا جا رہا ہے اور اسے استعماری طاقتوں کا ایک حاشیہ بردار ملک گردانا جا رہا ہے۔ افسوس چشم فلک نے یہ دلدوز منظر بھی دیکھنا تھا!

پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ پچاس سال گذر جانے کے بعد بھی ہمارے ارباب اختیار' آزادانہ سوچ سے عاری ہیں اور وہ واشنگٹن سے آشیرباد حاصل کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ عالمی مالیاتی اداروں نے بھی ہماری آزادی کو یرغمال بنا رکھا ہے اور اعداد و شمار کے گورکھ دھندے میں ہمیں اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ ہم ان مالیاتی اداروں کے فیصلوں کو بلا چون و چرا تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل جب نگراں وزیراعظم ملک معراج خالد نے اس امر کی جانب اشارہ کیا تھا کہ کچھ امریکی ادارے پاکستان کو ایک ناکام ریاست قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں تو پوری قوم میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ مگر سچ بات یہ ہے کہ پاکستان کی آزادانہ سوچ پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کسی تحریری دستاویز کی ضرورت نہیں۔ ہماری غلامانہ ذہنیت اور ہماری دریوزہ گری ہماری ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اب ایک حلقہ سنجیدگی سے سوچنے لگا ہے کہ اگر پاکستان نے پچاس سال بعد بھی یہ گل کھلانے تھے تو اسے بنانے اور اس کی بنیادوں کو اپنے خون سے سینچنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے اس ملک میں اسلام کے ساتھ ماضی میں جو سلوک روا رکھا گیا اور اس پر آج جو کچھ گذر رہی ہے اسے دیکھ کر کون ہے جو اطمینان کا سانس لے سکتا ہو؟

اس سوچ کے برعکس' ایک ایسا طبقہ بھی ہمارے درمیان موجود ہے جو پاکستان کے اسلامی تشخص سے ہی انکاری ہے۔ اس طبقے کا کہنا ہے کہ اسلام کا نام تو محض عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لئے لیا گیا تھا۔ اصل مسئلہ جس کی بنا پر برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تھی وہ تو اقتصادی مسئلہ تھا۔ ان عناصر کو کون سمجھائے کہ اگر بٹوارہ محض معاشی وجوہات کی بنا پر عمل میں آیا تھا تو پھر ان صوبوں کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر کیوں حصہ لیا تھا جنہیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ وہ کبھی پاکستان کا حصہ نہیں بن سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان صوبوں کے عوام نے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے تحریک پاکستان کو آگے بڑھانے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرانے میں بے مثال قربانیاں پیش کی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان کو محض معاشی اور اقتصادی معاملات سے منسلک کرنا اور اسے اسلامی تشخص سے محروم کرنا ہمارے نزدیک پرلے درجے کی بددیانتی ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ ہمارے حکمران، اسلام نافذ کرنے میں کبھی مخلص نہیں رہے مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چند "روشن خیال" حکمرانوں کی سزا ساری قوم کو دی جائے۔ پاکستان کا وجود اسلام کی ابدی اور آفاقی قدروں سے پوری طرح وابستہ ہے اور اس سے انحراف خودکشی کے مترادف ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے۔ ہماری پچاسویں سالگرہ، ہمیں تجدید عہد کا ایک زریں موقع فراہم کرتی ہے۔ بات آگے بڑھانے سے قبل ایک اہم نکتہ کی جانب توجہ مبذول کرانا بہت ضروری ہے۔ ہم پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ علاقے جنہیں آبادی کے اعتبار سے پاکستان میں شامل ہونا تھا حصول پاکستان کی مہم میں کوئی زیادہ سرگرم نہ تھے۔ سرگرم ہونا تو دور کی بات ہے ان علاقوں پر تو ایسے عناصر قابض تھے جو تحریک پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھنے والے حکمران اس تحریک کی راہ میں نت نئی رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے۔ صرف بنگال کا معاملہ باقی صوبوں سے مختلف ہے۔ بنگال کے مسلمان بڑھ چڑھ کر اس تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے۔ بنگال میں مغربی پاکستان کے موجودہ صوبوں کے برعکس جاگیردار ٹولہ زیادہ مضبوط نہ تھا اور فرنگی استعمار سے ان کی وابستگی دور دور تک دکھائی نہ دیتی تھی یہ "شرف" صرف مغربی پاکستان کے "انعام خوروں" کو ہی حاصل تھا کہ وہ انگریز کے رخصت ہونے تک اس کے حضور کورنش بجا لاتے رہے۔ تاریخ ان طالع آزما اور وفا پرست عناصر کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

پاکستان کے بانیوں کے خلاف یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ جو علاقے پاکستان میں شامل ہوئے انہیں تو تمام مراعات سے نوازا گیا مگر وہ دس کروڑ مسلمان جو اقلیتی صوبوں میں مقیم تھے انہیں بھارتی درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح اس کثیر آبادی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ پاکستان نے عمداً ان مسلمانوں سے کوئی بے اعتنائی نہیں برتی۔ بات دراصل یہ تھی کہ پاکستان کا حصول ایک بین الاقوامی معاہدے کی رو سے عمل میں آیا تھا اور حکومت برطانیہ، کانگرس اور مسلم لیگ کے زعما کے مابین متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ پاکستان اور بھارت دونوں اپنے ہاں مقیم اقلیتی آبادی کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کریں گے۔ جہاں تک پاکستان تعلق ہے اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری دیانت داری سے اس معاہدے پر عمل کیا اور اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ بھارت کی روش شروع سے ہی بڑی معاندانہ رہی ہے اور انہوں نے ان مسلمانوں کو معاف نہیں کیا جو آج بھارت میں مقیم ہیں اور جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ بھارت کے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے گئے (اور جو آج بھی ڈھائے جا رہے ہیں) ان پر پاکستان نے ہمیشہ صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ مگر بھارت ان قراردادوں کی چنداں پروا نہیں کرتا۔ وہ مسلم دشمنی میں بہت آگے جا چکا ہے۔

شریف الدین پیرزادہ کا ایک تفصیلی انٹرویو امپکٹ انٹرنیشنل (اگست ۱۹۹۷ء) میں شائع ہوا ہے۔ جناب ایم ایچ فاروقی سے باتیں کرتے ہوئے جناب پیرزادہ کہتے ہیں کہ قائداعظم بھارتی مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے بھارت جانے کے لئے بھی تیار تھے مگر اس ضمن میں انہیں چند عملی مشکلات درپیش تھیں۔ نوزائیدہ پاکستان مصائب کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا اور یہاں کی سنگین صورت حال نے انہیں بھارت جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس طرح قائداعظم خود تو بھارت نہ جا سکے مگر انہوں نے واشگاف الفاظ میں بھارتی مسلمانوں کو یہ پیغام ضرور پہنچایا کہ وہ اپنے آپ کو پوری طرح منظم کریں تاکہ دشمن میلی آنکھ اٹھا کر ان کی جانب نہ دیکھ سکے۔ قائد کا خیال تھا کہ ایک منظم اقلیت اپنے حقوق کا بخوبی تحفظ کر سکتی ہے۔ انہوں نے بھارتی مسلمانوں کو یقین دہانی کرا دی تھی کہ وہ ان کے حقوق سے پوری طرح آگاہ ہیں اور انہیں ان قربانیوں کا بھی پورا احساس تھا جو مسلمانان ہند بالخصوص اقلیتی علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے حصول پاکستان کے لئے دی تھیں۔

بھارت میں مقیم مسلمانوں کے حوالے سے ایک اور بات ان مسلمانوں نے بھارتی ہندوؤں کے ہاتھوں بڑے زخم کھائے ہیں مگر اطمینان کی بات یہ ہے کہ اب انہوں نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھ لیا ہے۔ اس طرح اب انہوں نے پاکستان پر تکیہ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ پاکستان سے کسی امداد کی توقع بھی نہیں رکھتے۔ ان کا ان صرف ایک مطالبہ ہے اور وہ یہ کہ پاکستان اب کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو آگے چل کر ان کی مشکلات میں اضافہ کا موجب بنے۔ ساتھ ہی ان کی یہ خواہش بھی ہے کہ پاکستان کو کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جو اسلام کی بدنامی کا باعث بنے۔ مثلاً" اگر پاکستان اسلامی قوانین میں کوئی ایسی ترمیم لانا چاہتا ہے جو اسلامی اصولوں کے منافی ہو تو اس غیر اسلامی جسارت سے نہ صرف پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ساتھ متاثر ہو گی بلکہ بھارت کے مسلمانوں کو بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اس صورت میں پاکستان کا حوالہ دے کر بھارتی حکومت بھی وہی ترمیم شدہ قانون اپنی مسلم رعایا پر نافذ کرنے کی کوشش کرے گی جو ظاہر ہے بھارتی مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہو گا۔

اب چند باتیں قائد اعظم کی ذات کے حوالے سے ملکی سیاست کے بارے میں۔ جناب پیرزادہ کا کہنا ہے کہ قائداعظم کھلے کاغذ (Loose Sheets) پر نوٹس لکھا کرتے تھے۔ ان اہم نوٹس کو بعد میں وہ متعلقہ فائلوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ ان کے فوری استعمال میں آنے والی اس طرح کی فائلوں کی تعداد غالباً بارہ تھی۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ "آل انڈیا کانگرس نے پاکستان کا مطالبہ مان تو لیا ہے مگر دل پر پتھر رکھ کر۔ اب اس کی کوشش ہو گی کہ اولین فرصت میں اس ملک کو توڑ دیا جائے" یہ نوٹ غالباً قائد نے ۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو لکھا تھا۔

مستقبل کے آئین کے بارے میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "جہاں تک پارلیمانی نظام حکومت کا تعلق ہے یہ تجربہ صرف انگلستان میں کامیاب ہوا ہے اور کہیں نہیں"۔

آگے چل کر وہ یوں رقم طراز ہیں " پاکستانی قوم کی سوچ کے مطابق پاکستان میں صدارتی نظام زیادہ مفید اور قابل عمل ہو سکتا ہے"۔ ان کے اصل الفاظ کچھ یوں ہیں :۔

"Parliamentary form of government has worked satisfactorily so far in England no where else... presidential form of government is more suited to Pakistan."

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قائد کے ذہن میں صدارتی نظام کے کیا خد و خال تھے؟ اس ضمن میں بیگم شاہ نواز کا کہنا ہے کہ وہ ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم سے ملنے گئیں تھیں۔ وہاں جا کر وہ کیا دیکھتی ہیں کہ قائداعظم مختلف کتابوں اور فائلوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ ان کے آس پاس رکھی ہوئی کتابوں میں فرانسیسی آئین کا ایک نسخہ بھی موجود تھا۔ ساتھ ہی ۱۹۴۶ء کے فرانسیسی پارلیمانی آئین کی ایک نقل بھی پڑی تھی جسے صدر ڈیگال نے رد کر دیا تھا۔ بیگم شاہ نواز کے بقول قائداعظم نے ڈیگال کے فیصلے کا وہ متن منگوا کر اپنے ہاں رکھا ہوا تھا جو بعد میں فرانس کے آئین کی بنیاد بنا تھا۔ بات صاف ظاہر تھی، قائداعظم کے ذہن میں فرانسیسی قانون کا مسودہ تھا نہ کہ امریکی آئین کا۔ قائداعظم نے اس حوالے سے اپنے نوٹس میں یہ لکھ رکھا تھا کہ صدارتی آئین کے نفاذ کے بعد ایک کابینہ تشکیل دی جائے گی جو پارلیمنٹ کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب دہ ہو گی اور پھر پارلیمنٹ اپنے آپ کو عوام کے سامنے پیش کرے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح اور فرانس کے صدر ڈیگال میں بہت سی اقدار مشترک تھیں۔ شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں کہ جب ان کی صدر ڈیگال سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے خود اس بات کا اظہار کیا تھا کہ دونوں کی سوچ میں گہری مماثلت پائی جاتی تھی۔ کچھ لوگ دونوں لیڈروں کو اپنی اپنی انا کا اسیر قرار دیتے ہیں مگر ہمارے خیال میں ان کے طرز عمل میں تکبر اور غرور کی کوئی بات نہ تھی۔ دونوں لیڈر اپنی دھن کے پکے تھے اور ایک بار جو فیصلہ کر لیتے اس پر وہ ہمیشہ ثابت قدمی سے کاربند رہتے۔ اصولوں پر سمجھوتہ کرنا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔

ایک سوال کے جواب میں کہ قائداعظم کے تحریر کردہ نوٹس کو یوں کیوں نظرانداز کیا گیا تھا، شریف الدین پیرزادہ فرماتے ہیں کہ ان کے خیال میں ان نوٹس کو پڑھنے کی کسی نے زحمت گوارا ہی نہیں کی تھی۔ قائداعظم کے ساتھ ان کی عمر نے زیادہ دیر وفا نہ کی ورنہ وہ اپنے خیالات قانون ساز اسمبلی تک ضرور پہنچاتے۔ قائد کے خیالات ایک فرد کے تھے اور ان خیالات کو انہوں نے اسمبلی کے سامنے پیش کرنا تھا۔ قائد اپنے خیالات دوسرے پر تھوپنے کے قائل نہ تھے۔

اس تاثر پر کہ پاکستان کا مزاج انگریزی پارلیمانی نظام سے زیادہ لگاؤ رکھتا ہے، تبصرہ کرتے ہوئے جناب پیرزادہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک جانب تو اسلامی نظام سیاست کے رائج کرنے پر زور دیا جاتا ہے مگر ساتھ ہی دوسری جانب برطانوی جمہوری نظام کے گن گائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں کچھ صاحبان فکر و دانش کا خیال یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت صدارتی نظام حکومت کے قریب تر ہے۔ سابق چیف جسٹس حمود الرحمان کی بھی یہی سوچ تھی اور انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی تحریر کی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں جمہوری نظام ان افراد کو مدنظر رکھ کر اختیار کیا جاتا ہے جو اس وقت صاحبان اقتدار ہوں یا کل کلاں اقتدار پر قبضہ کر سکتے ہوں۔ ان عناصر کو پارلیمانی نظام حکومت میں زیادہ مراعات میسر آ سکتی ہیں۔

جناب پیرزادہ کے بقول مسٹر بھٹو بھی فرانسیسی طرز کے صدارتی نظام کے حامی تھے لیکن حزب اختلاف کی تمام جماعتیں چونکہ صدارتی نظام کی مخالف تھیں اس لئے انہیں صدارتی لیبل اتارنا پڑا اور پارلیمانی جمہوری نظام نافذ کرنے پر راضی ہونا پڑا۔ لیکن ان کے نافذ کردہ نظام کو دراصل "وزیر اعظمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوریت" کا نام دینا زیادہ مناسب ہو گا۔ اسے کسی طور پارلیمانی جمہوریت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ بھٹو صاحب کے نافذ کردہ آئین کی رو سے وزیراعظم کو اپنے عہدے سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا اور صدر کا عہدہ محض "درشنی" اور نمائشی حیثیت رکھتا تھا اور بس۔

عام تاثر یہ ہے کہ جمہوریت کو پٹڑی سے اتارنے میں افسر شاہی اور فوج نے بڑا افسوسناک کردار ادا کیا۔ اس فہرست میں جسٹس محمد منیر' سابق چیف جسٹس آف پاکستان کا نام بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے آئین کے تحفظ کا حلف اٹھا رکھا تھا مگر اس حلف کی پاسداری کی زحمت گوارا کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا۔ پاسداری تو دور کی بات ہے انہوں نے ایک بیورو کریٹ گورنر جنرل غلام محمد کے ایما پر دستور ساز اسمبلی کو ہی توڑ دیا تھا اور یہ فیصلہ اس تناظر میں کیا تھا جب سندھ ہائی کورٹ نے اس فعل کو غیر قانونی قرار دے رکھا تھا۔ اسمبلی توڑنے کے حق میں ان کے دیئے گئے دلائل' قانون کی رو سے حد درجہ ناقص تھے۔ انہوں نے اپنے موقف کے حق میں جو دلیل پیش کی تھی وہ اصل فیصلے سے بھی بدتر تھی۔ ان کا "ارشاد تھا کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں سنانا چاہتے تھے جس کے بارے میں انہیں یقین ہو کہ حکومت کے سربراہ اسے خوش دلی سے قبول نہیں کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان کے پاس قانون نافذ کرنے کا کوئی اختیار (Verdict) بھی نہ تھا۔ مگر یہ فیصلہ صادر کرتے وقت وہ یہ نکتہ بھول گئے کہ عدالتوں کا کام' انتظامی سربراہ کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ ان کا کام تو آئین کی روح کے مطابق فیصلہ صادر کرنا ہوتا ہے۔ جسٹس منیر کے اس فیصلے نے قانون کے سارے ڈھانچے کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد حکمرانوں کو یہ شہہ مل گئی کہ وہ جب چاہیں ذاتی مفادات کی خاطر حق و انصاف کا گلا گھونٹ کر رکھ دیں۔

پاکستان کا دستور بنانے میں پہلے ہی سات سال کا التوا ہو چکا تھا۔ پھر اس میں ۱۹۵۶ء تک یعنی مزید دو سال کی تاخیر ہو گئی۔ اس کے بعد نئے آئین کو نافذ ہوئے دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ اسکندر مرزا اور ایوب خان نے آئین کو منسوخ کر دیا پھر ایک نئی بازی گری کی ابتدا ہو گئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حالات بے قابو ہوتے چلے گئے۔ رہی سہی کسر جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء نے نکال دی اور ان کی کوتاہ بینی کے طفیل ملک دو لخت ہو گیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو مل کر عوامی لیگ کو اقتدار سنبھالنے سے محروم نہ کر دیتے تو ملک کو تقسیم ہونے سے بچایا جا سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا مگر افسوس انہوں نے مسائل کا حل بندوق کی نالی کے ذریعے تلاش کرنا چاہا۔ مسائل تو حل نہ ہوئے البتہ اندرا گاندھی کا کام آسان کر دیا گیا۔ ساتھ ہی غیر ملکی طاقتوں کو بھی شہہ مل گئی۔ یہ طاقتیں پہلے ہی ملک کے بٹوارے پر تلی بیٹھی تھیں۔

جناب پیرزادہ، لیاقت علی خان کو بھی آئینی بحران سے بری الذمہ قرار نہیں دیتے۔ ان کے بقول چونکہ موصوف بھارت سے ہجرت کر کے آئے تھے اس لئے ان کا یہاں پاکستان میں کوئی حلقۂ نیابت نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آئین سازی پر عمداً" کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ انہیں خدشہ تھا کہ چونکہ ان کا یہاں کوئی مضبوط گڑھ (Power Base) نہیں ہے۔ لہٰذا الیکشن کے انعقاد کی صورت میں ان کی کامیابی مشکوک تھی۔ قائداعظم بھی لیاقت علی خان کے انداز حکمرانی سے زیادہ مطمئن نہ تھے اور وہ انہیں وزیراعظم کے عہدے سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ بقول جناب پیرزادہ اگر انہیں ایک دن بھی مزید زندہ رہنے کی مہلت مل جاتی تو وہ لیاقت علی کو ضرور برطرف کر دیتے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو سیاسی صورت حال یکسر تبدیل ہو کر رہ جاتی۔ قائد کے ذہن میں وزیراعظم کے عہدے کے لئے سردار عبدالرب نشتر کا نام تھا۔ نشتر، صوبہ سرحد سے تعلق رکھتے تھے اور مسلم لیگ کی اگلی صفوں میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ گورنر جنرل کے عہدے کے لئے بقول پیرزادہ، مولوی تمیزالدین کا نام، قائداعظم کے زیر غور تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے دستور ساز اسمبلی میں انہیں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ مولوی تمیزالدین جن کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا ایک انتہائی باکردار انسان تھے اور اپنی اصول پسندی، جرات اور پامردی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

ایک اور بات، قائداعظم کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر کا حوالہ دے کر ہمارے "روشن خیال" دانشور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قائد کے نزدیک پاکستان کا تصور ایک سیکولر سٹیٹ کا قیام تھا۔ اس تقریر کی تشریح کرتے وقت وہ اس سیاق و سباق کو بھلا دیتے ہیں جس کے تناظر میں یہ تقریر کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دنوں امن و امان کی صورت حال سخت بگڑی ہوئی تھی اور اس وقت اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنانا از بس لازم تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ انہوں نے دو قومی نظریے پر نظرثانی کر لی تھی پرلے درجے کی ناانصافی ہے۔ ۱۱ اگست والی تقریر کا اصل مقصد غیر مسلم اقلیت کو یہ یقین دلانا تھا کہ ان کے حقوق بہرطور محفوظ رہیں گے۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں لینی چاہئے کہ دو قومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریے کی افادیت ہی ختم ہو گئی تھی۔ قائداعظم کا تصور قومیت عقیدے سے وابستہ تھا۔ قائد کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست کی شکل اختیار کرے گا اور وہ اپنے اس موقف پر سختی سے کاربند رہے۔ پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد ان کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد انہوں نے کئی موقعوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ پاکستان کا قانون اسلامی شریعت پر قائم ہو گا اور یہ مملکت اسلامی مملکت ہو گی۔

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو انہوں نے فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ مسلمان' پاکستان کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات' اسلامی کلچر اور اسلامی روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق بسر کر سکیں۔ اسی طرح ۲۵ جنوری ۱۹۴۵ء کو انہوں نے اسلامی ریاست قائم کرنے کے وعدہ کا پھر اعادہ کیا تھا۔ اس وعدے کی تجدید انہوں نے کراچی بار ایسوسی ایشن کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔ اس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اسلام آج بھی اتنا ہی قابل عمل ہے جتنا یہ چودہ سو سال پہلے تھا۔ یہ جمہوریت کا نمائندہ مذہب ہے۔

یہ چند اقتباسات تو ہم نے مئے نمونہ از خروارے کے مصداق پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم صدق دل سے پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی ابہام کا شکار نہ تھے۔ ان کی زندگی کھلی کتاب کی مانند تھی۔ منافقت اور ریاکاری کا ان کے ہاں سے گذر بھی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جب وہ واشگاف لفظوں میں پاکستان کے اسلامی تشخص کو اجاگر کرتے ہیں' تو ہمیں ان کی بات کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہمارے ہاں کا "روشن خیال" طبقہ درحقیقت اسلام کے نام سے الرجک ہے اور وہ عمداً" قوم کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی باریک چالوں سے اجتناب ازبس لازم ہے۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے' رنگ' نسل اور قومیت کے تعصبات سے یکسر بلند و ماورا۔ مگر افسوس ماضی میں ہمارے قائدین کی ناقص پالیسیوں کی بدولت' وطن عزیز کا اسلامی تشخص ابھر کر سامنے نہیں آ سکا ہے ایسا ہو جاتا تو اسلامی دنیا بھی ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھاتی۔ اب پاکستان کو چاہئے کہ وہ عالم اسلام کے دانشوروں' ماہرین تعلیم اور اقتصادیات کے ماہرین کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے ان کی ماہرانہ خدمات سے استفادہ کرے اور اس طرح ایک مضبوط، مربوط مسلم بلاک بنانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ یہ بلاک نہ اشتراکی ذہنیت کا حامل ہو گا نہ استعماری ذہنیت کا نقیب بلکہ یہ بلاک اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے اکیسویں صدی کے تقاضوں پر پورا اترے گا۔ ہم صدق دل سے اس بلاک کے قیام اور اس کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

نوٹ: اس مقالہ کی تیاری میں مندرجہ ذیل مضامین اور کتب سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ M.H. Faruqi, Why Pakistan, 1997, 14

۲۔ گولڈن جوبلی۔ پچاس سالہ کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ، ہفت روزہ زندگی، ۱۰ ۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء، ۲۱۔۵۴

۳۔ پاکستان گولڈن جوبلی نمبر، ہفت روزہ تکبیر نمبر ۳۴، کراچی، ۱۴ اگست ۱۹۹۷ء

۴۔ مولانا مودودی، پاکستان کیوں قائم کیا گیا، فرائیڈے سپیشل، ۱۵۔۲۱ اگست، ۱۹۹۷ء

۵۔ نصرت مرزا، پاکستان عظمت کے سفر پر، ۱۹۹۴ء

۶۔ حافظ تقی الدین، پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور تحریکیں، لاہور، ۱۹۹۵ء

۷۔ منیر احمد، پاکستان ٹوٹ جائیگا، لاہور، ۱۹۹۶ء

۸۔ پروفیسر عزیز الدین، پاکستان میں قومیتی مسئلے کا تجزیہ، لاہور، ۱۹۹۲ء

© rasailojaraid.com